عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماھنامہ

ربیع الاول ۱۴۳۷ھ / جنوری ۲۰۱۶ء

Reg No. P476

جلد: چاردھم

شمارہ: 5

فہرست

فی شمارہ : 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل : physiologist72@hotmail.com
saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

موجودہ تعلیمی مسائل اور ان کا حل (قسط۔۲)

(حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

ملی تشخص سے محرومی: ایک عظیم المیہ

میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

عمومی طور پر اس عظیم المیہ کا سبب معدودے چند افراد کے علاوہ ہماری قیادت کی قومی مزاج سے بے خبری، امت کے عروج و زوال کی حقیقت سے ناشناسی، امتِ محمدیہ مرحومہ کے تشخص خاصہ سے ناواقفیت اور ملت کے عمومی ذہن سے بے خبری اور دینی بے حسی ہے۔ مزید برآں عامۃ الناس میں اس جذبہ اور ولولہ اور احتساب کی قوت کا فقدان ہے، جو ہر قیادت کو مجبور کر دے کہ وہ امت کے مزاج ملی کو جان کر اس کے تشخص کی بقا کے لئے ان راہوں کو تلاش کرے جن سے ملت کا قوام اور بقا وابستہ ہے۔ ہمارے ملک میں گو حکومتیں اور افراد بدلتے رہے، نظام ہائے حکومت مختلف صورتیں اختیار کرتے رہے لیکن جن عناصر سے ہر دور میں قیادت و حکومت نے تشکیل پائی وہ نہ بدلے اور یہ وہ طبقہ تھا جو ذہنی اور فکری لحاظ سے مغرب کا پروردہ اور ان کے تعلیمی نظام کا پیدا کردہ تھا۔ جن کی غالب اکثریت کے بارے میں اکبرالٰہ آبادی مرحوم کے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے:

گزر ان کا ہوا کب عالمِ اللہ اکبر میں!
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

پہلے انگریز حاکم رنگ و مزاج و ذہن ہر اعتبار سے ”گورے“ تھے اور اپنے مفاداتِ خاصہ کے نمائندے، اب رنگ و نسل بدل گئی، لیکن عام حاکم مزاج و ذہن ہر اعتبار سے گوروں کے ناقل اور مثل بنے رہے اور یہ سیاہ فام ”حاکم“ ظاہر کے علاوہ مغربیت کی باطنی سیاہی کے حامل بن گئے۔

مغربی تہذیب امتِ محمدیہ کے مزاج سے قطعاً ناشناس و بیگانہ ہے۔ اس کا آوردہ نظامِ تعلیم اور اس کی تیار کردہ تعلیم یافتہ کھیپ نہ تو امت کے مزاج کو جانتی ہے اور نہ امت کے حقیقی تشخص سے واقف ہے۔ جب تک کہ یہ طبقہ کمال اخلاص، جستجو اور محنت سے اپنے ملی تشخص کے جاننے کی کوشش نہیں کرے گا اس وقت تک ان پر اقبال کا یہ حکیمانہ اور حقیقت پر مبنی شعر نہیں کھلے گا۔

چیتے کا جگر چاہئے شاہیں کا تجسس

جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانشِ افرنگ

موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ خلوص اور اسلام سے عقیدت کے باوجود اپنی تربیتی پرورش اور اس کی پیدا کردہ افتادِ طبع کی بنا پر مجبور و معذور ہے کہ وہ یورپ کے درآمدہ نظریات اور علوم پر اس ملتِ بیضا کو پرکھے، جیسے انگریزی کی ضرب المثل ہے کہ مشرق مشرق ہے، مغرب مغرب ہے، یہ نہ ملے ہیں اور نہ ملیں گے۔

"East is East and West is West. They never meet and had never met."

مزاجِ امت اپنی تشکیل میں مشرق و مغرب کے ہر مزاج اور نظریۂ فکر سے جداگانہ ہے۔

جب تک رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے علوم، قرآن و سنت اور عصرِ سعادت یعنی دور صحابہ اور تاریخِ امت پر گہری اور عمیق نظر نہیں ہوگی، مزاجِ ملت سے آشنائی نہیں ہو سکے گی۔ بڑا المیہ یہی ہے کہ جدید طبقہ اپنی علمی میراث سے محروم اور مغرب کے آوردہ علوم کے ایک حصہ سے سطحی حد تک واقف ہے۔ یہ طبقہ دین، ملت اور حقائق اسلامیہ سے آشنا نہ ہو سکا اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ مغرب کو بھی کلیتاً نہ پا سکا۔

اس اعتبار سے سب سے پہلی بات جدید طبقہ کو ملت کے خصائص، اس کے اجزائے ترکیبی، اس کے قوام اور بقا کے بنیادی حقائق سے روشناس کرنا ہے۔ جب تک ہم مغرب کے آوردہ نظریات پر قیاس کرتے ہوئے اپنی ملت کو بنانے، سنوارنے اور ابھارنے کی کوشش کرتے رہیں

گے، ہمیشہ ہم ناکام رہیں گے۔ جیسے زرخیز اور مرطوب آب و ہوا میں پھلنے پھولنے والے پودے کو خشک وگرم فضا موافق نہیں آسکتی، اسی طرح اسلام کے پودے کی ہریالی اور سرسبزی، دینی اور اسلامی نظریاتی ماحول میں قائم رہ سکتی ہے۔ حکیمِ مشرق (علامہ اقبال مرحوم) نے خوب کہا تھا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

پس ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم مغربی تہذیب وتمدن سے اپنے دین وملت اور مذہب کو پرکھیں۔ اپنے معیار اور جانچ کے سانچے قطعاً اسلامی رکھیں اور اس کے مطابق ملت کے تشخص کی کوشش کریں تو کامیابی یقینی ہے۔ ورنہ رومی کی مثنوی کی کینزک کی طرح ہر علاج الٹا اثر کرے گا۔

ھر چہ کردند از علاج و از دوا
گشت رنج از فزوں و حاجت ناورا

(جتنا انھوں علاج نے کیا اور دوا دی اس سے بیماری بڑھتی گئی اور مطلب حاصل نہ ہوا)

از قضا سر کنگبیں صفر افزود
روغن بادام خشکی می نمود

(تقدیر کا فیصلہ کہ سرکہ اور شہد جو صفرا کو کم کرتے ہیں ان سے صفرا بڑھ گیا اور بادام سے خشکی پیدا ہوگئی)

از ھلیلہ قبض شد اطلاق رفت
آب آتش را فزود ش ھمچو نفت

(ہریڑ سے قبض پیدا ہوا، اور پانی سے آگ ایسے بڑھی جیسے پٹرول سے بڑھتی ہے)

اس سلسلے میں نوکر شاہی کا تصور اور رکاوٹیں، قیادت کی کوتاہی سے کسی صورت کم نہیں۔ یہ ایک المناک داستان ہے، جس نے تیس سال کے عرصے تک قوم کو نہ صرف دینی وملی تشخص سے محروم رکھا بلکہ اپنی قومی زبان تک کو اپنانے نہ دیا۔

موجودہ نظامِ تعلیم میں تبدیلی کیسے؟

جب کوئی قوم تبدیلی اور تعمیر کا ارادہ کرتی ہو اور خیر کی طرف آنا چاہتی ہو اور اس میں مخلصانہ عزمِ صمیم رکھتی ہو تو کوئی رکاوٹ اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔ عامیانہ محاورہ ہے: ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔'' اگر ہم موجودہ نظام تعلیم کو بدلنا چاہیں اور سچ مچ اس بارے میں مخلص ہوں تو کوئی رکاوٹ اور کوئی وجہ ایسی نہیں کہ ہم اس بے خدا مغربی نام نہاد تعلیم سے نکل کر اپنے مزاج اور اسلامی نظریات اور اقدار کے مطابق نظامِ تعلیم نافذ نہ کرسکیں۔ اگر یہ ممکن ہے کہ ایک شخص ترکیہ میں خلافتِ عثمانیہ کے پانچ سو سالہ رائج شدہ اسلامی نظام کی بیخ و بن نکال دے، یہاں تک کہ عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی رسم الخط اور فرانسیسی قانون اور مغربی تمدن کو پانچ سات سال کے عرصے میں رائج کردے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم اس کج نہاد اور بے خدا، اپنے افکار و نظریات سے بیگانے نظریے اور نظامِ تعلیم کو بدل سکیں؟ یہ سب ممکن ہے، ارادہ کی دیر ہے، جہاں تک ارادہ و عزم کے بعد عملی نفاذ کا تعلق ہے، اس کے لئے ہمیں ابتدائی مراحل میں شروع ہی سے اپنا خاص نظام قائم کرنا ہوگا۔ ہم اس نظامِ تعلیم کو تین مرحلوں میں مختلف صورتوں سے نافذ کرسکتے ہیں:

الف۔ ابتدائی تعلیم

ب۔ ثانوی تعلیم

ج۔ جامعاتی تعلیم

الف۔ ابتدائی تعلیم:

تفصیلات کا موقع نہیں، صرف اشارۃً عرض کرتا ہوں کہ بچوں کے اس ابتدائی مرحلے پر اردو اور علاقائی زبان کی ایسی تعلیم جس کا چربہ اور خاکہ اسلام کے مزاج کے مطابق اور دینی رنگ سے مطابقت رکھتا ہو، زبان دانی کے طور پر پڑھایا جائے۔ باقی عمرانی علوم میں جو ابتدائی نصاب تعلیم

میں دنیاوی رخ سے رائج ہے، اس میں معمولی تغیر وتبدل کی ضرورت ہوگی اور دینی تعلیمی اعتبار سے ان چار پانچ سالوں میں ناظرہ قرآن کریم، پچھلے دو پاروں کا حفظ، عقائد اسلام، پانچ ارکان، ان کے فضائل ومسائل، بچوں کے ذہن کے مطابق سیرت النبی ﷺ، اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تاریخِ اسلام کے خاص خاص واقعات آسان زبان میں حکایتوں کے رخ سے بیان کئے جائیں۔ اس مرحلے میں سب سے بڑی چیز بچوں کے ذہن میں یہ چیز پیدا کرنا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام ہی ہمارے دینی ودنیوی مسائل کا واحد حل ہے۔

ب۔ ثانوی تعلیم:

اس مرحلے پر مروجہ عمرانی علوم میں خلاف اسلام اگر کوئی چیز ہو اس کو خارج کر کے ہر فن کو اسلامی ذہن کے مطابق بنا کر کتابوں کی نئی تالیف کر کے انہیں رائج کریں۔ جہاں تک دینی تعلیم کا تعلق ہے عربی کو وہ بنیادی اور اہم مقام دیا جائے جو آج انگریزی کو حاصل ہے۔ اگر عربی کی تعلیم صحیح اور حکیمانہ رخ سے دی جائے تو اس کا سیکھنا انگریزی کے سیکھنے سے بدرجہا آسان ہے۔

اس مرحلے میں انگریزی جو کہ موجودہ سائنسی علوم کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے اس کے مقابلے میں اگر عربی کو لانا مشکل معلوم ہوتا ہے تو اس کا علاج اور آسان راہ یہ ہے کہ ہم عربی کو دینیات کا جزو قرار دیں اور پانچویں سے لیکر آٹھویں جماعت تک ہماری دینیات دو حصوں پر مشتمل ہو، ایک حصہ عربی کی ریڈروں سے عبارت ہو، جو قرآن کریم، احادیث نبویہ، واقعات سیرت اور اسوۂ صحابہ کے آسان آسان جملوں پر مشتمل ہو، ایک پرچہ عربی کے ساتھ متعلق ہو اور ایک پرچے میں اردو میں فضائل دین واعمال ومسائل ہوں۔ دونوں پرچوں میں کامیابی لازمی قرار دی جائے، نویں دسویں میں کلیتاً دینیات کی زبان عربی ہو، میٹرک تک عربی اتنی آجائے کہ طالب علم جلالین، ریاض الصالحین اور کنز یا قدوری تک کتابوں کو پڑھ سکے، اگر اس سطح پر ممکن نہ ہو تو ایف اے کے نصاب میں ان کتابوں کو لیا جا سکتا ہے۔ اس سے عربی اور دینیات دونوں آجائیں گے۔ انٹر تک

دینیات پیشہ ورانہ فنی علوم اور عمرانی علوم کے سب طلبا کیلئے لازمی ہو۔ اس کے بعد دینی تعلیم میں تخصیص وہی طالب علم کر سکے گا جو اسے خاص طور پر لینا چاہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے ملک میں دینی و دنیاوی تعلیم کی دوئی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی۔ ہماری دینی تعلیم کے مدارس اپنی جگہ رہتے ہوئے حکومت سے آزاد، تخصص علوم دینیہ کے مراکز بن کر رہ سکتے ہیں۔

ج۔ جامعاتی تعلیم:

جامعاتی سطح پر دینی اور عربی علوم کا نصاب اس طرح سے بنایا جائے کہ عمرانی علوم کے طلباء مستقلاً مصادر اسلامیہ سے عربی میں استفادہ کر سکیں۔ جو علوم خالص دینیات سے متعلق نہیں مثلاً فلسفہ، اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات اور دیگر عمرانی علوم، ان کی چھانٹ پھانٹ ان علوم کے ماہرین اور علوم کی مشترکہ کمیٹیوں سے کرائی جائے اور جو خلافِ اسلام نظریات ہیں ان کو یا خارج کر دیا جائے یا ان کے ساتھ اسلامی دلائل کو اس رخ سے پیش کیا جائے کہ اس کا تریاق ہو جائے۔

ہمارے قدیم علما کا ایک نظریہ اور قول ہے کتاب سے زیادہ بچوں کی تعلیم میں استاد اثر انداز ہوتا ہے۔ اس بنا پر اساتذہ کی جو الحاد، بے دینی اور غلط نظریات کے داعی ہیں، دماغی صفائی (Brain Washing) کی جائے، یا ان کو تعلیمی مناصب سے ہٹایا جائے۔ (جاری ھے)

....

ہر طرف سے یہ صدا آتی ہے سالِ نو مبارک ہو تمہیں
راحتوں کا اور خوشیوں کا وصالِ نو مبارک ہو تمہیں
زندگی کے سانس تو ہیں گرتی اینٹیں عمر کی
ہم اسے کہتے ہیں سالِ نو مبارک ہو تمہیں
اک ذرا رُک، سوچ، توبہ کر، بدل دے زندگی
پھر تو اے بھائی بہارِ نو مبارک ہو تمہیں

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ملفوظاتِ شیخ۔ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط ۹۷)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

ہم اور آپ انسان کو استعمال کے لئے تیار تو کر رہے ہیں لیکن اس کو بنا نہیں رہے تاکہ صحیح استعمال کے قابل ہو جائے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس:۸.۹)

ترجمہ: تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس کو (نفس کو) سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا یعنی گناہوں میں مبتلا کر دیا۔(معارف القرآن)

حضرت والا نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ جو پاک ہوا، سنورا یعنی اپنی اصلاح کی، وہ کامیاب ہوا اور دوسرے جملہ میں اس کا الٹ بیان کر دیا گیا کہ جو نہ ہوا پاک اس کا خسارہ ہوا، نقصان ہوا۔

آدمی کپڑے پہنتا ہے تو ہر ماحول کے مطابق ایک صفائی کا معیار ہوتا ہے، گاؤں میں کپڑے پورے سات دن پہنے ہوئے ہوتے ہیں برے نہیں لگتے۔ ہفتہ بعد اتار کر دھونے کو دے دیتے ہیں۔ یہاں شہری ماحول میں دوسرے تیسرے دن نہ بدلیں تو برے لگتے ہیں کہ کپڑے میلے ہوگئے ہیں، اب ان کو صاف کرنے کی، دھونے کی ضرورت ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ صاف کپڑا اللہ تعالیٰ کا ذِکر کرتا ہے اور جب میلا ہو جاتا ہے تو اس کا ذِکر بند ہو جاتا ہے، صاف کپڑے والوں کی روزی میں برکت ہوگی، شخصیت میں کشش ہوگی، جہاں جائے گا وہاں اس کی قدر ہوگی، اتنے فوائد ہیں اس کے۔ جس گھر میں آدمی رہتا ہے اس کی روزانہ صفائی نہ کریں، کوڑا کرکٹ باہر نہ پھینکیں تو ہفتے، دو ہفتے، مہینے بعد رہنے کے قابل نہیں رہتا۔ گاڑی کی مہینہ دو مہینہ بعد اس کے ساتھ جو متعلقہ صفائیاں ہیں وہ نہ کریں تو گاڑی کی کارکردگی خراب ہو جاتی ہے، فائدہ دینا بند کر دیتی ہے،

کہتی ہے کہ اب میرا حق ہے صفائی کا۔ میرا کام تھا خدمت، میں آپ کو فائدہ دیتی رہی، آپ کے لئے استعمال ہوتی رہی، اب آپ بھی دو مہینوں کے بعد ایک آدھ دن میری صفائی، موبل آئل تبدیل کرنے، گریس لگانے، وغیرہ کے لئے مجھ پر توجہ دیں تاکہ میں درست ہو کر جگہ پر آجاؤں اور پھر سے آپ کو فائدہ پہنچاؤں۔ چارسدہ کی طرف ہم جا رہے تھے تو میں نے ڈاکٹر سیار صاحب سے کہا کہ بعضے کھیتوں میں چاول کاشت کئے ہوئے ہیں، چاول کی آمدنی تو گنے سے کم ہے تو پھر یہ کیوں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہاں کے زمیندار کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد زمین میں چاول کاشت نہ کیا جائے تو زمین کی گنا پیدا کرنے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔ پھر جب چاول کاشت کرتے ہیں اور مہینہ دو مہینے چاول کے لئے زمین میں پانی کھڑا رہتا ہے تو اس سے دیمک ختم ہو جاتی ہے، ورنہ زمین میں دیمک کی کالونیاں بن جاتی ہیں۔ گویا زمین جو آپ کو فصل دے رہی ہے اس کا بھی ایک حق ہے، وہ کہتی ہے کہ مجھے بھی درست کرو۔

انسان نے اس معاشرے میں استعمال ہونا ہے۔ معاشرے میں اس کے استعمال ہونے کے لئے بننا کہاں پر ہے؟ اگر بگڑا ہوا انسان معاشرے میں جائے گا تو یہ سب جگہ بگاڑ ہی بگاڑ پیدا کرے گا۔ بازار میں ہے تو وہاں بگاڑ، دفتر میں ہے وہاں بگاڑ، عدالت میں ہے وہاں بگاڑ، حکومت میں ہے وہاں بگاڑ، جس جگہ پر بھی جائے گا اس کا رویہ منفی، حالات بگاڑنا، خود پریشان ہونا، دوسروں کو پریشان کرنا، یہ سب اس سے ہوتا جائے گا۔ پشاور یونیورسٹی کے ایک شعبے کے چیئرمین تھے، ان کو یونیورسٹی والوں نے ہٹا دیا، اس نے مجھ سے گلہ کیا کہ تمہارے فلاں تبلیغی ساتھی نے بھی میرے خلاف ہنگامے کیے ہیں اور مجھے ہٹایا گیا ہے۔ میں نے ساتھی سے گلہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ بڑی عمر کے آدمی اور آپ نوجوان آدمی ہیں، خواہ مخواہ چیئرمین صاحب کو تنگ کیا اور اس کو چیئرمینی سے آپ نے ہٹوا دیا۔ اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! میں نے اس کو تنگ نہیں کیا، یہ خود اپنے آپ کو تنگ کرتا ہے۔ پوچھا وہ کیسے؟ بتایا کہ کوئی بات بھی کرتا ہے تو منفی ہوتی ہے، کسی آدمی سے ملے گا اس

سے منفی بات کہے گا مثلاً کوئی ملے تو پوچھے گا کہ آپ کہاں کے ہیں؟ بالفرض اس نے کہا کہ میں کوہاٹ کا رہنے والا ہوں تو فوراً کہے گا چھوڑو یار کوہاٹ کے بھی کوئی لوگ ہوتے ہیں، میرے ساتھ فلاں فلاں زیادتی کی، فلاں جگہ یہ غلطی کی، فلاں جگہ یہ غلطی کی۔ کسی کو اپنا ہمدرد نہیں چھوڑتے، کسی کے بارے میں اچھے لفظ کہہ دینا، مبارک لفظ کہہ دینا، یہ کام اس سے نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اپنے لئے حالات خراب کر لیتا ہے۔

گھر میں یا مختلف جگہوں پر میں جاتا ہوں، وہاں بچوں کی پٹائی کر رہے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کرو، وہ کر کے نہیں دیتا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ آپ ذرا پیچھے ہو جائیں، آپ حوصلہ کریں، پیچھے خاموش ہو کر بیٹھ جائیں، بچے کو آپ ذرا آزاد چھوڑ دیں، پھر بچے سے کہتا ہوں کہ او ہو کتنا اچھا بچہ ہے، کتنا پیارا بچہ ہے، اس سے جو بات کہی جائے اس کو مانتا ہے اور بچے تو وہی اچھے ہوتے ہیں کہ ماں باپ جو اچھی باتیں کہیں، صحیح باتیں کہیں ان کو مانیں، وہ بچے جو بات مانتے ہیں کتنے خوبصورت لگتے ہیں۔ اچھا، اب آپ یہ کر لیں، وہ فوراً کر لیتا ہے۔ منفی ترتیب کی کامیابی کم ہے، مثبت کی زیادہ ہے۔ زبان نے اپنی نرمی کے باعث بتّیس دانتوں کو اپنے سامنے قطار بنا کر کھڑا کیا ہوا ہے اپنی خدمت کے لئے۔ زبان پر پہلے چوٹ نہیں آتی، دانت ٹوٹتے ہیں پھر زبان پر چوٹ آتی ہے۔ دانتوں کی سختی کو زبان نے اپنی نرمی سے کنٹرول کیا ہے اور اپنے آگے صف بنا کر اپنی حفاظت کے لئے کھڑا کیا ہوا ہے۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ اگر بگڑا ہوا باپ ہے تو مصیبت، بیٹا ہے تو مصیبت، دکاندار ہے تو مصیبت۔ یہ ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے کہ ہم دو طلباء پشاور یونیورسٹی کے کافی شاپ بازار گئے۔ سردیاں ہو رہی تھیں، سوچا کہ چلو ہیٹر خریدیں۔ ایک نئی دکان شروع ہوئی تھی۔ ہم نے ایک ہیٹر دیکھا، دوسرا دیکھا، تیسرا دیکھا، آدمی تنگ ہو گیا اور غصہ ہو گیا، اس نے کہا: لیتے ہو تو لو ورنہ جاؤ۔ میرے ساتھی نے کہا: پریگدہ مڑہ دہ خودکاندار نہ دے، دہ خو تھانیدار دے۔ (چھوڑو یار، یہ تو دکاندار نہیں تھانیدار ہے) میں نے کہا: دکان یو سو ورزو دے زیات نہ دے۔ (دکان کچھ

دن کی ہے، زیادہ دن کی نہیں ہے) دوتین مہینے بعد دیکھا تو دکان ختم۔ بگڑا ہوا آدمی باپ ہے تو اولاد کے لئے مصیبت، حاکم ہے تو رعایا کے لئے مصیبت، رعایا بگڑی ہوئی ہے تو حاکم کے لئے مصیبت۔ جس نے اپنے آپ کو نہیں سنوارا اس نے اٹھایا خسارہ، اور ہوا تباہ اور ہوا پریشانی میں مبتلا۔ اس لئے دنیا اور آخرت کے سارے مسائل کا حل ہی اصلاحِ نفس میں ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے اخلاص والے ہدایت کے چراغ ہیں، ان کی وجہ سے بڑے بڑے فتنوں کو اللہ تعالیٰ ختم کر دیتا ہے۔ ہم اور آپ انسان کو مختلف امر سکھا کر استعمال کے لئے تیار کر رہے ہیں لیکن انسان کو اصلاحِ نفس کے لحاظ سے بنا نہیں رہے تا کہ استعمال کے قابل ہو جائے۔

کیلاش قبیلے کے متعلق کچھ باتیں:

فرمایا کہ کیلاش قبیلے کے متعلق یہ مشہور ہے کہ سکندرِ اعظم کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں سے یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے۔ ان کے حال سے اندازہ ہوا کہ ان کے عقائد و اعمال آتش پرست مجوسیوں، بدھ مت اور ہندو مت والوں سے ملتے ہیں۔ چند بڑے بوڑھے ہی ان عقائد اور معلومات کو اپنے چھوٹوں کو بتاتے ہیں اور سب اس پر عمل کرتے ہیں۔ کوئی کتاب، کوئی عالم وغیرہ نہیں جو کہ ان عقائد اور اعمال کو علمی انداز میں آگے چلا رہا ہو۔ چترال میں اجتماع کے دوران مقامی ساتھی ان کی آبادی میں لے گئے۔ عام لوگ تو لباس اور بدن کے لحاظ سے بہت غلیظ ہوتے ہیں، گھروں کا بھی یہی حال ہے۔ مالدار لوگ کچھ صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ ان کے اصل مذہب میں مُردوں کو دفن نہیں کیا جاتا بلکہ لکڑی کے ایک کھُلے تابوت میں آبادی کے پاس ایک بیابان میں رکھ دیا جاتا ہے، جہاں پرندے، کتے وغیرہ گوشت نوچ لیتے ہیں اور ہڈیاں وہاں رہ جاتی ہیں۔

جن عورتوں کے حیض کے ایام ہوں یا بچے کی پیدائش یعنی زچگی کے دن ہوں ان کو ناپاک اور منحوس سمجھتے ہیں اور ان سب کو ایک مکان میں جمع کرتے ہیں، اس مکان کو ''بِشالینی'' کہتے ہیں۔ بچے کی پیدائش کے دوران جو عورت مر جائے اسے اور پیدا ہونے والے بچے کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اس

بچے کو بھی پھینک دیتے ہیں اور عورت کو بھی۔ عموماً ایسے بچوں کو مسلمان اُٹھا کر پالتے ہیں اور عورت کو بھی تعفن اور بدبو سے بچنے کے لئے مسلمان دفن کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں بدبو، تعفن اور بیماریوں کے پھیلنے کے خطرات کی وجہ سے ان لوگوں نے بھی مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دفن کرنا شروع کیا ہے۔

ان کی مذہبی اور ثقافتی دو جگہیں دیکھیں۔ ایک بڑا ہال جس میں لکڑی سے بنے ہوئے دُنبوں کے سر تھے، اس میں یہ قربانی دیتے ہیں۔ کوئی آدمی مرجائے تو اس ہال کے درمیان میں اس کی لاش رکھ کر تین دن اس کے گرد ناچتے ہیں اور سو، ایک سو بیس بکرے ذبح کرتے ہیں اور دعوتیں چلتی ہیں۔ یہ چیز ان کے لئے کافی معاشی بوجھ ہوتی ہے لیکن رسم و رواج کی پابندی بہر حال ہر معاشرے کی بہت بڑی مصیبت ہے۔ دو میدان دکھائے گئے جن کے گرد سٹیڈیم کی طرح سیڑھی نما جگہیں بیٹھنے کے لئے تھیں۔ راہبر نے بتایا کہ مئی اور دسمبر میں ان کا ''یاک میلہ'' ہوتا ہے جس میں عورتیں ناچتی ہیں اور مرد سیڑھیوں پر بیٹھ کر تماشا کرتے ہیں۔ اسی ناچ میں شادی کے لئے جوڑے منتخب ہوتے ہیں۔ اگر شادی شدہ عورت کسی دوسرے مرد کو پسند آجائے تو وہ پہلے خاوند سے بات کرتا ہے۔ پہلے خاوند کا رشتہ اگر ایک لاکھ میں ہوا تھا تو وہ دو لاکھ کا مطالبہ کر کے عورت دے دیتا ہے۔ اس طریقے سے جس عورت کے زیادہ تبادلے ہوئے ہوں وہ اپنے کو بہت نمایاں سمجھتی ہے۔

راہبر مختلف جگہوں سے گھما پھرا کر ایک آدمی کے گھر لے گیا۔ یہ کافی مالدار آدمی تھا، گذشتہ جرنیل پرویز مشرف کی تصویر اس آدمی کے ساتھ بنی ہوئی تھی اور گھر میں لٹک رہی تھی۔ اس کی بیوی نے آکر ایک کشیدہ کاری کیا ہوا کپڑا ہار کی شکل میں بندہ کے گلے میں ڈال دیا اور دعا کی درخواست کی۔ بندہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کر لی۔ اسی طرح دوسرے چوہدری کے گھر جانا ہوا اور وہاں پر بھی دعا کر لی۔ کیلاش برادری نے ہماری طرف سے بیان سننے اور کھانے کی دعوت قبول کی۔ عصر تا مغرب ان کے ایک مخلوط اجتماع میں بیان ہوا اور مغرب سے پہلے انہوں نے کھانا کھایا۔

مغربی ممالک کی این جی اوز (NGOs) اِن لوگوں میں کام کر رہی ہیں۔ ان کا مؤقف

ہے کہ اس قدیم ثقافت کو بچایا جائے جس کا تھوڑا سا تذکرہ آپ نے اوپر ملاحظہ کیا۔ ہمارے نام نہاد دانشور بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ اس ثقافت کو ٹورازم کی بنیاد بنا کر علاقے میں ٹورسٹوں کے لئے کئی ہوٹل بنائے گئے ہیں۔ این جی اوز کی کارکردگی پر مقامی لوگوں نے یہ تبصرہ کیا کہ وہ اس کوشش میں ہیں کہ یہ لوگ یا عیسائی ہو جائیں یا ایسے ہی کافر رہیں۔

اس علاقے میں بڑی کشش شراب کا عام ملنا ہے جو کیلاش خود بناتے ہیں۔ مالدار طبقے کی شراب کی خوب بکری ہے جبکہ غریب طبقہ این جی اوز کے پیسوں پر زندگی گزار رہا ہے۔ اس سب کے باوجود کیلاش کے دانشوروں کا یہ تبصرہ ہے کہ اگر ہم نے مذہب تبدیل کرنا چاہا تو پھر اسلام ہی قبول کریں گے جو کہ حق مذہب ہے ورنہ عیسائیت کے مقابلے میں ہمارا اپنا طریقہ ہی اچھا ہے۔

اللہ والوں سے ٹکر آدمی کی تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے:

فرمایا کہ یونیورسٹی کا ایک وائس چانسلر سیکولر ذہن کا آدمی تھا جو کہ دینی لوگوں کے ساتھ خواہ مخواہ الجھتا رہتا تھا اور تنگ کرتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمہٗ اللہ تو یونیورسٹی پر چھائے ہوئے ہیں اور عملی وائس چانسلری تو یونیورسٹی پر ان کی ہے، تو اس کو چڑ ہوگئی جس کی وجہ سے اس نے تنگ اور پریشان کرنا شروع کر دیا۔ یونیورسٹی کے ساتھ ملحقہ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی مکان کی زمین تھی اور اس کے گرد چار دیواری کی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ یہ وائس چانسلر وہاں گیا اور اس نے کہا کہ یہ چار دیواری چھ انچ آگے ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر اس نے مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت مولانا صاحب رحمہٗ اللہ کے بڑے بھائی سیکرٹری ہیلتھ تھے۔ انھوں نے آکر کہا کہ چھ انچ زمین ہے اور حکومتِ وقت پیپلز پارٹی کی ایسی حکومت ہے کہ دیندار لوگوں کو پریشان کر رہے ہیں اور نوکریوں سے نکال رہے ہیں، کہیں آپ کے نوکری سے نکلنے کے حالات نہ ہو جائیں۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ وائس چانسلر اگر مجھ سے یونیورسٹی کے لئے یہ زمین مانگتا تو میں ساری زمین اس کو دے دیتا لیکن اس طرح میں کبھی نہیں دوں گا کہ چھ انچ زمین کا اپنے اوپر غصب کا

الزام لے لوں۔ اب یہ اس کو ثابت کرے، نہیں تو میں ثابت کروں گا۔ میں نے تو ساری عمر اپنے اخلاق اور اعمال درست کرنے کے لئے کوشش کی اور اس پر اب میں یہ الزام لے لوں کہ میں نے چھ انچ پرائی زمین دبائی ہے۔ یہ تو نعوذ باللہ تصوف کے سلسلے ہی نہ ہوئے، یہ تو راجواڑہ ہو گیا۔ ایک آدمی کو بزرگوں نے یہاں اس لئے بٹھایا ہے کہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرے اور اللہ کا نام بتائے، ذِکر اذکار بتائے اور وہ لوگوں کی زمینیں دبانے بیٹھ جائے، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ خیر انھوں نے بھائی سے کہا کہ آپ فکر نہ کریں اور اطمینان سے جائیں۔ جب وی سی نے بہت تنگ کیا تو ہمارے ایک مجذوب بزرگ بابا خیال محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیا کرتے تھے، ایک دن مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ بڑا تنگ کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا: ''آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، ۸ رفروری کو چلا جائے گا، اور ۸ رفروری سے نیچے اور ایسی باتیں ہیں جو اگر میں بتاؤں تو سلسلے سے ہی نکال دیا جاؤں گا۔'' اسی طرح ایک اور فقیر تھے، ان سے پوچھا کہ کیا ہوگا؟ انھوں نے کہا: ''یا اللہ! اس کو نکال یہاں سے اور بس OSD in Islamabad۔''

۸ رفروری کو میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ آخری سجدے میں زوردار دھماکہ ہوا۔ باہر نکلا تو لوگوں نے کہا کہ سینٹ ہال میں دھماکہ ہو گیا، حیات خان کی اس میں موت ہو گئی اور فلاں فلاں زخمی ہو گئے۔ اس واقعہ کی پاداش میں وائس چانسلر صاحب کو اسلام آباد میں او ایس ڈی (افسرِ بیکار) بنا دیا گیا۔ ہمارے بزرگوں کو اس واقعے کا القاء ہو چکا تھا جو کہ وقت سے پہلے بتا نہیں سکتے تھے۔ خیال محمد صاحب فرماتے تھے کہ کبھی کبھی میرے منہ سے بات نکل بھی جاتی ہے اور پھر حکومت میرے پیچھے پڑ جاتی ہے کہ کہیں یہ بھی بیچ میں شامل ہے جو اس کو پتہ تھا۔ حالانکہ مجھے پتہ اس لئے تو نہیں تھا کہ میں گینگ میں شامل تھا بلکہ وہ تو روحانی بات تھی۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

جناب حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے خطوط بنام پروفیسر احمد عبدالرحمان الصدیقی صاحب رحمۃ اللہ

(قاضی محمد طلال سلجوقی ایڈووکیٹ، وِزٹنگ لیکچرر شریعۃ اینڈ لاء ڈیپارٹمنٹ، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور)

نوادرات وذخیرۂ خطوط بنام پروفیسر صدیقی صاحب رحمۃ اللہ کا اجمالی تعارف

پروفیسر صدیقی مرحوم کی وفات کا غم ابھی تازہ تھا کہ ایک اور مہربان بزرگ کے سائے سے بندہ محروم ہوگیا۔ تزکیہ وتفسیر میں دونوں شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ کے شاگرد، علومِ حدیث میں دونوں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ کے تلامیذ (شاگرد)، دونوں نوشہرہ کے باسی مگر دونوں کا فیض ہرسو پھیلا ہوا۔ دونوں شفیق، جن کی محفل میں ہم جیسے انگریزی خوانوں کو کبھی بے گانگی یا طنز کا احساس نہ ہوتا تھا۔ اور دونوں جودوسخا کے پیکر تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

استاد صدیقی مرحوم کی وفات کے بعد بندہ ان کی لائبریری اور بیش قیمت خطوط کو ترتیب دینے میں لگ گیا۔ ۱۹۶۰ء کی طالب علمی کے دور سے لے کر وفات تک ۵۵ سالہ دور کے خطوط، تبرکات، اجازتیں اور آٹوگراف نکلتے رہے اور بندہ فائلوں کی زینت بناتا رہا۔ پروفیسر مرحوم کو ان خطوط کی حفاظت کا شدید احساس تھا اور دوسری طرف ان کے مشاغل بے پناہ۔ دریں صورت انہیں ترتیب دینے کا موقع زندگی بھر نہ ملا۔ مرحوم خطوط کو لفافوں میں دوسرے کاغذات ورسیدات سمیت تہہ کرکے کسی کتاب رسالے میں محفوظ کرتے، دریں صورت ان صندوقوں، الماریوں، پیٹیوں، بوریوں، چادر کی گٹھڑیوں سے خطوط کو کتابوں، اخبارات اور رسالوں سے الگ کرنے میں بہت سارا وقت لگا، پر کام ناتمام تو کیا ایک طرح سے شروع بھی نہیں ہوا، کیونکہ خطوط اکیلے نہیں بلکہ دیگر اوراق

جیسے عدالتی، محکماتی، نوشہرہ کالج، مدرسہ انوار القرآن، خانقاہ نظارۃ المعارف، انجمن خدام الدین نوشہرہ، مسجد سیدنا عثمانؓ، طالب علموں کی درخواستوں، مختلف یادداشتوں، رسیدوں اور بجلی، گیس و اخبارات کے بلوں میں اٹے پڑے ہیں۔ پوری لائبریری سوائے قسم الدوریات (Periodical Section) کے سیلاب ۲۰۱۰ء میں ضائع ہوگئی۔ اسی میں کافی سارے خطوط بھی مکمل تلف ہوئے۔ کچھ خطوط ایسے بھی مل رہے ہیں جن کا وجود تو بچ گیا پر لکھائی پانی کے اثر سے بالکل زائل ہوگئی (بطورِ مثال مولانا ہزاروی رحمہ اللہ کے خطوط جو نیشنل اسمبلی کے لیٹر پیڈ پر ہیں)۔ خطوط کن کن اکابر کے ابھی تک ملے ہیں، یہ فہرست فی الحال مہیا کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر انڈیا سے ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے ہیں تو پاکستان سے علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے بھی کافی سارے ہیں۔ اگر ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم کے ہیں تو پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کے بھی ہیں۔ اگر دلی سے غازی خان کابلی کے ہیں تو پیرس سے استاد ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے بھی ہیں۔ اگر مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے ہیں تو مفتی بشیر پسروری صاحب و مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے بھی ہیں، اگر شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کے ہیں تو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے بھی ہیں۔ اگر قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ کے ہیں تو قاضی عبدالکریم کلاچوی رحمہ اللہ کے بھی ہیں۔ اگر جسٹس عبدالقدوس قاسمی صاحب رحمہ اللہ کے ہیں تو قاضی صاحب عبدالسلام الاشرفی رحمہ اللہ کے بھی ہیں۔ اگر بریگیڈئر قاری فیوض الرحمان صاحب مدظلہ کے ہیں تو علامہ عبدالرحمان بہاولپوری اور مولانا کوثر نیازی کے بھی ہیں۔ اگر حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی رحمہ اللہ و مولانا عبدالمالک صدیقی رحمہ اللہ کے ہیں تو مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ کے بھی ہیں۔

امت کی نصف صدی کی تاریخ لئے ہوئے ہیں ان خطوط کی اشاعت حضرت الاستاد ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے اِشراف (Supervision) میں ہے۔ مئی ۲۰۱۴ء میں استاد صدیقی مرحوم نے اپنے گھر پر بندہ کو عمرہ جانے کی اجازت و دعاؤں سمیت حکم دیا کہ ہر دو مقاماتِ مقدسہ پر دو دو رکعت نفل پڑھ کر مدرسے کے طلبا کی بہبود اور ان خطوط اور تفسیری خلاصے کی حفاظت اور مدرسے کے

جملہ پراجیکٹس کے لئے دعا کرنا۔ساتھ ہی یہ طے پایا کہ واپسی پر ایک ایک بزرگ کے خطوط بندہ اکھٹے کر کے ٹائپ کرے گا اور اگلی ملاقات پر استاد ان پر حاشیہ لکھوائیں گے اور پھر ماہنامہ الغزالی میں قسط وار محفوظ ہوں گے۔

احتیاط کا یہ عالم تھا کہ استاد مرحوم فوٹو کاپی کے لئے یہ نوادرات اکیلے ایک بندے کو دکان پر لے جانے کے روادار بھی نہ تھے۔ کچھ یہی احتیاط اور کچھ بندے کی نالائقی کہ ان کی زندگی میں بندے کو مفتی محمود رحمہ اللہ کے صرف دو خطوط ملے۔اور پھر ایک دن ۲۶ فروری ۲۰۱۵ء کو

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

ترجمہ: وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور ساقی بھی نہ رہا یعنی استاد صدیقی صاحب اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

سرِ دست الداعیہ استاد ڈاکٹر شیر علی شاہ رحمہ اللہ کے صرف تین خطوط اور ایک عربی خطبۂ استقبالیہ جو غالباً حقانیہ اکوڑہ کے سالانہ کانووکیشن کے لئے لکھا گیا ہے، ملے ہیں۔"خلاصۃ التفسیر" کے مسودے پر ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کا لکھا مقدمہ ابھی تک نہیں ملا۔یہاں ذرا "خلاصۃ التفسیر" کا تعارف کیا جاتا ہے۔شیخ التفسیر احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے تفسیری افادات ان کے خلیفہ جناب مفتی بشیر احمد پسروری رحمہ اللہ نے ۱۳۴۴ھ میں قلم بند کئے تھے۔مفتی صاحب رحمہ اللہ اس شامل و کامل مسودے کی اشاعت و مناسب ترمیم کے لئے اپنے خلیفہ استاد صدیقی رحمہ اللہ کے حق میں تحریری طور پر دستبردار ہوگئے۔شیخ لاہوری رحمہ اللہ کے ایک دوسرے تلمیذ جناب نسیم احمد فریدی امروہی نے ۱۳۵۵ھ کے دورۂ تفسیر کے افادات ریکارڈ کئے تھے۔استاد محترم اس مسودے کے حصول کے لئے ہند کے دورے پر گئے اور امروہوی صاحب کا مسودہ بھی ساتھ لائے۔لکھنؤ میں شیخ ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے ان تفسیری افادات کا نام خود ہی "خلاصۃ التفسیر" تجویز فرمایا اور اردو اشاعت کے علاوہ عربی ترجمہ کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔استاد مرحوم دونوں مسودوں کو الگ الگ یا ایک ہی جلد میں چھاپنے پر تردد میں تھے، پھر اہلِ علم کے مشوروں کے لئے ایک اعلان بھی نشر کیا۔آخر میں استاد شیر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس مفتی پسروری رحمہ اللہ کا مسودہ بھجوا کر ان سے مقدمہ یا تقریظ لکھوائی۔وفات کے بعد

ذخیرے کی ترتیب جاری تھی کہ استاد مرحوم کے شاگرد کرامت شاہ نے آکر بتایا کہ استاد نے بندہ کے بارے میں وصیت فرمائی کہ ''طلال آئے تو اس مسودہ کے چھاپنے کا کہنا''۔ بندہ یہ سن کر اپنے آپ کو بہت بڑی ذمہ داری تلے محسوس کرنے لگا۔ اپنے مہربان بزرگوں کو آگاہ کیا اور ذمہ داری کچھ حد تک بٹ گئی۔ استاد محترم جناب پروفیسر قاضی خلیل الرحمان صاحب، خطیب و قاضی نوشہرہ (قاضی عبدالسلام الاشرفی رحمۃ اللہ کے خلف الرشید) نے بکمال شفقت اس تفسیری خلاصے کے عربی ترجمے کا ارادہ فرمایا، اگرچہ موصوف اس وقت کسی اور علمی کتاب کے ترجمے میں مصروف ہیں۔ یہ پیش رفت اس لحاظ سے بھی اطمینان بخش ہے کہ فنِ تفسیر سے لگاؤ کے علاوہ قاضی صاحب نہ صرف اپنے خانوادے کی زبانوں عربی، فارسی اور پشتو کے امین ہیں بلکہ انگریزی اور اردو پر بھی عبور رکھتے ہیں۔

شیخ التفسیر رحمۃ اللہ کے ایک دورۂ تفسیر کے نوٹس مولانا سمیع الحق صاحب نے بھی لئے ہیں اور وہ اِن دنوں اسی مسودے کو صاف فرما رہے ہیں۔ شاید ان کا مسودہ کامل نہیں ہے۔ انہوں نے مفتی بشیر پسروری رحمۃ اللہ کے کامل مسودے کے لئے رابطہ فرمایا۔ منتظمِ مدرسہ حافظ وقاص صاحب کے مشورے واجازت سے مسودے کی نقل مولانا سمیع الحق صاحب کو اماناً فراہم کی گئی۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خطوط قارئین ماہنامہ غزالی کے حوالے کئے جاتے ہیں۔

۱۔

(اس خط کے بے رنگ لفافے پر پتہ یوں درج ہے: محترم ومکرم جناب شیخ عبدالرحمان نوشہروی معرفت محترم ومکرم حضرت الشیخ مولانا عبدالغفور صاحب مدنی۔ لفافے کے پشت پر درج ہے: محترم والد بزرگوار کی خدمت میں تسلیمات مسنونہ عرض ہیں)

۱۴ ذی القعدہ ۱۳۸۱ھ (بمطابق ۱۹۶۲ء تقریباً)

بگرامیٔ خدمت مخدومی المحترم المکرّم صاحب الفضیلت جناب عبدالرحمان دامت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آں محترم کا گرامی نامہ مسرتِ قلبی کا باعث ہوا۔ الحمد للہ کہ اس ناچیز کو آپ حضرات جیسے

اہلُ اللہ مقدس مقامات میں یاد فرمائی سے نوازتے رہتے ہیں۔ خداوندِ قدوس آنجناب اور آپ کے والد بزرگوار کو مناسک حج کی ادائیگی کی توفیق بخشے اور آپ حضرات کے حج کو حجِ مبرور بنادے اور بخیر و عافیت اپنے وطن مالوف پہنچا کر احباب و اقارب کو آپ حضرات کی ملاقات سے مسرت وابتہاج بخشے۔ ہم عید الفطر کے بعد حضرت الشیخ، شیخ الاسلام مولانا احمد علی (لاہوری) صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی تعزیت کے لئے گئے تھے اور ان کے مخصوص کمرۂ مقدسہ میں راتیں گزاریں۔ میرے ساتھ محترم مولانا سمیع الحق صاحب بھی تھے۔ وہاں بہت سارے خطوط پڑے تھے، ان میں آپ کا گرامی نامہ بھی دیکھا جو آپ نے حضرت الشیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں لکھا تھا۔ دیکھ کر ازحد صدمہ ہوا۔ صد افسوس وحسرت کہ تمام عالَم اسلامی آفتاب ہدایت سے محروم ہوگیا۔

میں بہت خوش قسمت ہوں، رمضان میں ہی حضرت مولانا درخواستی صاحب کے خان پور کے درس قرآن میں شریک تھا، وہاں سے ان کے ساتھ لاہور چلا آیا، حضرت کے جنازہ مطہرہ میں شرکت کی۔ حضرت کی قبر مبارک سے ایک قسم کی خوشبو جاری ہے۔ دور دراز سے زائرین آتے ہیں۔ یقیناً جن بزرگوں نے مدت العمر قرآن مجید واحادیث نبویہ کی اشاعت کی، بعد از مرگ اللہ تعالیٰ نے ان کے روضۂ اقدس کو جنت الفردوس کا ایک ٹکڑا بنایا۔

آپ سے درخواست ہے کہ مقامات مقدسہ میں اس ناچیز کو یاد فرمائی سے نوازا کریں۔

آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ نے اپنے شیخ و مرشد رحمہٗ اللہ کی آغوشِ تربیت میں منازلِ سلوک طے کیں اور ان کی اجازت سے حرمین شریفین چلے گئے۔ پھر مزید خوش قسمتی یہ کہ اپنے والد بزرگوار دامت برکاتہم کی سرپرستی میں بلادِ مقدسہ، زیاراتِ مطہرہ اور حجِ بیت اللہ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتوں سے مشرف ہوئے ہیں۔ آپ کو اور آپ کے قبلہ والد بزرگوار کو یہ سعادات مبارک ہوں۔

آپ کی دعاؤں کا محتاج۔ شیر علی شاہ۔ مدرس دار العلوم حقانیہ

حضرت الشیخ، شیخ التقی، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا عبد الغفور صاحب مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام مسنون عرض فرمائیں۔

شیخ الھندؒ کا احسانی و عرفانی مقام (قسط-۳)

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی)

شیخ الھندؒ: مجاہدانہ سرگرمیوں کی عدمِ قبولیت کے خوف سے گریہ:

دین کی سر بلندی اور خلافت اسلامی کی بقا و استحکام کے لیے زندان و اسیری، عبادات و اذکار کی پابندی، اور ترجمۂ قرآن کی سعادت کے باوصف شیخ الہندؒ کی کیفیت یہ تھی کہ:

''جس وقت مالٹا میں تھے، ایک روز بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، ساتھیوں نے پوچھا کیا حضرت گھبرا گئے ہیں؟ یہ لوگ سمجھے کے گھربار یاد آرہا ہوگا، یا جان جانے کا خوف ہوگا۔ فرمایا کہ میں اس وجہ سے نہیں رو رہا ہوں جو تم سمجھے ہو، بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ مقبول بھی ہے یا نہیں''۔

(مولانا اشرف علی تھانویؒ، ملفوظات حکیم الامتؒ، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۳۰ھ، جلد ۳، صفحہ ۱۲۷، ملفوظ ۱۹۳)

حسنِ خُلق بھی عبادت ہے:

ذوق عبادت اور بندگی کا ایک اہم، عظیم اور غالب حصہ مخلوقات سے معاملات اور تعلقات سے متعلق ہے ـــــ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الخلق عيال الله، فأحب الناس الى الله من أحسن الىٰ عياله.

''مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبت اس شخص سے ہے، جو اس کے کنبے سے حسن سلوک سے پیش آئے''۔

(سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، المعجم الأوسط، قاہرہ: دارالحرمین، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵م، باب المیم، من اسمه محمد، محمد بن عثمان بن أبي شيبة، جلد ۵، صفحہ ۳۵۶، رقم ۵۵۴۱)

عام طور پر یہ بات قابلِ مشاہدہ ہے کہ اگر کوئی بزرگ یا عالم درس و تدریس، تصنیف و افتا

یا صوفیانہ امور میں مشغول رہتا ہے تو اسے بالعموم کاروبار دنیا اور لوگوں سے میل جول اور تعلق و اختلاط سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے، بلکہ پیش قدمی کر کے اگر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ فی زمانہ مؤخر الذکر غفلت اور اول الذکر انہماک ہی کو سلوک و عرفان کی معراج سمجھا جانے لگا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا ــــــ یہ رویہ فی الحقیقت سیرت نبوی ﷺ، اسوۂ صحابہؓ و اہل بیتؓ اور اخلاق صوفیہ تینوں کے منافی ہی نہیں بلکہ ایک ایسی غیر متوازن شخصیت کا غماز بھی ہے، جو دین کے ایک بہت اہم اور بڑے حصے سے خود کو اپنی ان انفرادی ''ذمے داریوں'' کے باعث مستثنیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ جس کے حصول اور جس کی ادائیگی کے لیے نصوص میں متواتر ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے:

طریقت بہ جز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(ترجمہ: طریقت خدمت خلق کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں،
اس کا دارو مدار صرف تسبیح، مصلیٰ اور گدڑی پر نہیں)

شیخ الہندؒ: ذوقِ عبادت اور حسنِ خلق کے جامع:

شیخ الہندؒ اسلاف کے طریق کی اتباع و پیروی میں عبادت و اخلاق دونوں کے توازن کا مظہر تھے ــــــ مولانا عزیز الرحمٰن بجنوریؒ آپ کے عبادات و معاملات کے مابین توازن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''طالب علمی کی زندگی کے بعد متصلاً ہی معلمانہ زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے یہ زندگی بھی آپ کی مکمل ترین زندگی ہے۔ دن میں دس دس، گیارہ گیارہ گھنٹے درس کے بعد سلوک و تصوف کے تمام اشغال نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے۔ صلوٰۃ با جماعت کا تو اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیرِ اولیٰ تک فوت نہ ہوتی۔ غرض کہ پورا دن اسی مشغولیت میں صرف ہوتا۔ مہمانوں کی کثرت، ان کی دیکھ بھال اور خدمت، بال بچوں کی تربیت اور اہلِ بیت کے

حقوق کی ادائیگی، غرض کہ کوئی سی مشغولیت بھی آپ کو صلوٰۃ باجماعت، ادائے اوراد و وظائف اور قیام اللیل سے مانع نہ ہوتی تھی''۔ (عزیزالرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، صفحہ ۱۵۰)

شیخ الہندؒ: طالبانِ علوم سے تعلق اور شفقت:

شیخ الہندؒ، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے۔ ظاہر ہے طالبانِ علوم سے ان کا سابقہ واسطہ ہمہ وقتی تھا۔ شیخ الہندؒ کے احوال کا مطالعہ اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ آپ طالبانِ علوم کے لیے بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں: ''(شیخ الہند رحمۃ اللہ کو) طالب علموں سے بے حد انس تھا۔'' (حسین احمد مدنیؒ، سفرنامہ شیخ الہندؒ، مکتبہ محمودیہ، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۵۹)

آپ کا علمی رعب اور آپ کی عرفانی وجاہت آپ کے اور طلبا کے درمیان کبھی حائل نہ ہوتی۔ طلبا بے تکلف آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ مولانا قاری محمد طیبؒ سے منقول ہے کہ ایک دن طلبا نے کہا:

''حضرت تیرنا سکھلا دیجیے۔ چنانچہ جمعے کے دن سویرے طلبا کو ہمراہ لے کر دیوبند سے باہر تالاب پر گئے اور ہر ایک کو تیرنا سکھایا۔ ایک پنجابی طالبِ علم نے کہا حضرت! لائیے میں آپ کی کمر مل دوں۔ یہ کہہ کر اس نے کمر ملنا شروع کر دی۔ حضرت شیخ الہندؒ کا جسم بہت نرم تھا۔ طالبِ علم نے سمجھا میل بہت ہے اس لیے فوراً ہی ریت اٹھا کر ملنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے کھال چھل گئی، مگر حضرت نے اُف نہ کی۔ جب واپس ہوئے تو راستے میں ایک بیل کو دیکھا۔ جس کی کمر سے خون جاری تھا۔ پنجابی طالبِ علم نے کہا کسی ظالم نے اس کو کتنی بری طرح مارا ہے۔ حضرت نے فرمایا جی ہاں کسی پنجابی نے اس کی کمر ملی ہوگی''۔

(عزیزالرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، صفحہ ۱۶۸)

اللہ اکبر! ایک تو طلبا پر شفقت کا یہ عالم، اس طالبِ علم کی غلطی اور اپنی تکلیف پر ادنیٰ گرانی کا اظہار کیے بغیر بات کو مزاح میں ٹال دینا یہی شیخ الہندؒ کا وصف تھا۔

شیخ الہندؒ: بے نفسی اور عاجزی کا عظیم مظہر:

عجب اور تکبر کے بالمقابل بے نفسی و تواضع ہے۔ اس کی حقیقت زبانی اظہار سے زیادہ عملی ہے۔ یہ خود کو محض ہیچ مداں، احقر، خاکسار اور فقیر کہہ دینے سے عبارت نہیں بلکہ اس کی حقیقت خود کو کسی بھی امتیازی وصف کی بنا پر عام لوگوں سے بلند سمجھے جانے کی عملی نفی ہے۔ بلکہ عارفین نے تو یہ بات نہایت وضاحت سے فرمائی ہے کہ جس نے اپنے لیے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہہ متکبر ہے، کیوں کہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعت قدر کے مشاہدے کے بعد ہوگا، پھر جب اپنے لیے تواضع کا دعویٰ کیا گیا تو گویا اپنے مرتبے کی بلندی کا مشاہدہ کیا، یہی تکبر ہے۔ بے نفس، متواضع اور عجب سے پاک شخص ہمیشہ عام انسانوں میں گھلا ملا رہتا ہے۔ اس کے انداز و اطوار حاکمانہ نہیں ہوتے اور نہ وہ خوردوں سے کسی بڑائی یا تعظیم کا متمنی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اس وصف میں بھی نمایاں اور ممتاز تھے، مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ الہندؒ کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لباس، چال، معاملات وغیرہ اس قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہل دنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے۔ ریل میں تیسرے درجے میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔"

(حسین احمد مدنیؒ، سفرنامہ شیخ الہندؒ، صفحہ ۱۵۹)

وہ بداہتہً (لازمی طور سے) خود کو ہر کمال اور عظمت سے معرا (خالی) باور کرتے تھے۔

مولانا قاری محمد طیبؒ لکھتے ہیں:

"اس رفعت شان پر بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ گویا نفس کا کوئی تقاضا باقی ہی نہیں رہا تھا۔ یا اس کے پورے ہونے کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی، یا اسے پامال کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔" (قاری محمد طیبؒ، "پچاس مثالی شخصیات"، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام [مرتب: محمد عمران قاسمی بگیانوی]، مردان: مکتبۃ الاحرار، ۲۰۱۱ء، جلد ۷، صفحہ ۴۲۲)

(جاری ہے)

ختمِ نبوت علامہ اقبال کی نظر میں

(حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''علوم القرآن'' سے قاضی فضلِ واحد صاحب کا انتخاب)

۱۔ قادیانیت یہودی مذہب کا چربہ ہے۔ میرے نزدیک بہائیت (ایران کا ایک مذہب جسے پیغمبری کے دعوے کے ساتھ بہاء اللہ نے شروع کیا۔ قادیانیوں کی طرح شروع میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے اپنے آپ کو مسلمان کہنا ترک کر دیا) قادیانیت سے زیادہ مخلص ہے کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن مؤخرالذکر (قادیانیت) اسلام کے چند نہایت اہم اصولوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کیلئے مہلک ہے۔ اس قادیانی فرقے کا حاسد خدا کا تصور (یعنی ایسا خدا) کہ جس کے پاس دشمنوں کے لئے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں، نیز قادیانی فرقے کا نبی کے متعلق نجومی ہونے کا تخیل اور اس کا روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ، وغیرہ یہ تمام چیزیں اپنے اندر یہودیت کے اتنے عناصر رکھتی ہیں گویا یہ تحریک یہودیت کی طرف رجوع ہے۔ (حرفِ اقبال صفحہ ۱۲۳ مرتبہ لطیف احمد شروانی)

۲۔ اسلامی ایران میں موبدانہ اثر کے ماتحت ملحدانہ تحریکیں اٹھیں اور انھوں نے 'بروز'، 'حلول'، 'ظل' وغیرہ اصطلاحات وضع کیں تا کہ تناسخ کو اس تصور میں چھپا سکیں۔

ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لئے لازم تھا کہ وہ مسلم کے قلوب کو ناگوار نہ گزریں۔ حتیٰ کہ مسیحِ موعود کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں بلکہ اجنبی ہے اور اس کا آغاز بھی اسی موبدانہ تصور میں ملتا ہے۔ یہ اصطلاح ہمیں اسلام کے دورِ اول کی تاریخی اور مذہبی ادب میں نہیں ملتی۔

(حرفِ اقبال صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴)

۳۔ قادیانی گروہ اسلامی وحدت کا دشمن ہے۔ مسلمان ان تحریکوں کے معاملہ میں زیادہ حساس ہیں جو ان کی وحدت کے لئے خطرناک ہیں چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر

اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنائی نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے، مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لئے کہ اسلامی وحدت ختمِ نبوت سے استوار ہوتی ہے۔ (حرفِ اقبال صفحہ ۱۲۲)

مرزا محمود خلیفۂ دوم آئینۂ صداقت صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں خواہ انہوں نے مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

۴۔ میں اس باب میں کوئی شک اور شبہ نہیں رکھتا کہ یہ احمدی اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ خطِ اقبال بنام جواہر لال مندرجہ بنام ''کچھ پرانے خطوط'' حصہ اول صفحہ ۲۹۳ مرتبہ جواہر لال مطبوعہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی انڈیا۔

۵۔ میری رائے میں قادیانیوں کے لئے صرف دو راہیں ہیں۔ یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں (یعنی اپنا کافر ہونا مان لیں) یا پھر ختمِ نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر، اس کو اپنے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کریں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہوتا کہ ان کو سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔ (حرفِ اقبال صفحہ ۱۳۶، ۱۳۷)

۶۔ میری رائے میں حکومت کے لئے بہترین طریقِ کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا اور مسلمان ان سے رواداری سے کام لے گا جیسے وہ باقی (کافر) مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتا ہے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے مطابق اس لئے ہے کہ مرزا بشیر الدین خلیفہ دوم کا خطبہ مندرجہ الفضل ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء میں حضرت مسیحِ موعود فرماتے ہیں: ''ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے، ہمارا اسلام اور، ان کا خدا اور ہے ہمارا خدا اور ہے، ان کا حج اور ہے ہمارا حج اور ہے، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔''

۷۔ علامہ اقبال کا انگریزی حکومت کو مشورہ: نئے دستور میں اقلیتوں کے تحفظ کا خیال رکھا گیا

ہے۔ میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملتِ اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہے ہیں۔ حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا۔ اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبہ کا کیوں انتظار کر رہی ہے۔ حرفِ اقبال صفحہ ۱۳۸ پر علامہ لکھتے ہیں۔ نماز میں قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے وہ اسلام سے کہیں اس سے دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے۔ پھر جب قادیانی مذہبی معاشرتی معاملات میں علیحدگی اختیار کرتے ہیں۔ پھر وہ سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لئے مضطرب کیوں ہیں۔ (حرفِ اقبال صفحہ ۱۳۸)

۸۔ پابندی باغی جماعت پر لگانی چاہئے۔ علامہ اقبال انگریزی حکومت کو لکھتے ہیں۔ اگر کسی قوم کی وحدت خطرے میں ہو تو اس کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ وہ معاندانہ قوتوں کے خلاف مدافعت کرے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدافعت کا کیا طریقہ ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ اصل جماعت کو رواداری کی تلقین کی جائے حالانکہ اس کی وحدت خطرہ میں ہو اور باغی گروہ کو تبلیغ کی پوری اجازت ہو۔ اگرچہ وہ تبلیغ جھوٹ اور دشنام سے لبریز ہو۔ (حرفِ اقبال صفحہ ۱۲۶)

میں کہتا ہوں کہ مرزا کی یہ ایک گالی کروڑوں گالیوں سے زیادہ ہے۔ وہ آئینہ کمالات صفحہ ۵۴۸ میں لکھتے ہیں: جو لوگ مجھے نہیں مانتے اور میرے دعویٰ پر ایمان اور تصدیق نہیں رکھتے وہ سب زنا کی اولاد ہیں۔

(ادارہ: کاش قادیانی آنکھیں بند کر کے اس مذہب کو قبول کرنے کی بجائے ربوہ جا کر لائبریری میں بیٹھ کر ان کتابوں کو خود پڑھیں۔ اس کے بعد اگر ان کے کوئی مالی مفادات نہیں ہیں تو خدارا اپنے لئے مفت کی جہنم نہ خریدیں۔ مالی مفادات والے تو چلو دنیا کے کچھ فوائد حاصل کر گئے)

ڈاکٹر ارشاد صاحب کا سفرنامہ (قسط۔۲)

(پروفیسر ڈاکٹر ارشاد احمد صاحب، شعبۂ سوّل انجینئرنگ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

پچھلے رمضان سے چند ہفتے پہلے ۲رجون ۲۰۱۵ء کو سوئٹزرلینڈ کے شہر ذِیورخ جانا ہوا اور واپسی فرانس کے شہر پیرس سے ہوئی۔ ہوائی پرواز ترکش ہوائی جہاز کے ذریعے استنبول کے راستے سے کی۔ نیت یہ تھی کہ مسلمان ملک کی ایئرلائن کو مالی فائدہ پہنچے۔ ذِیورخ میں آٹھ دن اور پیرس میں پانچ دن قیام رہا۔ موسم کے اعتبار سے یہ انتہائی موزوں وقت تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک سے سیاح انہی دنوں میں ان ممالک کا رُخ کرتے ہیں۔

ذِیورخ میں ایک ٹریننگ کی غرض سے جانا تھا جو ایک سوئس کمپنی نے دینی تھی۔ ذِیورخ کے ہوائی اڈے سے مجھے کمپنی کی ملازمہ جو ایک جرمن عورت تھی لینے آئی اور مجھے اپنی گاڑی میں میری رہائش گاہ تک پہنچایا۔ میں نے اپنی رہائش ہوٹل کی بجائے ایک سوئس خاندان کے گھر میں رکھی تھی تاکہ کھانا پکانے، کپڑے دھونے یا اور کوئی ضرورت کی چیزیں بآسانی دستیاب ہوں۔ مزید یہ کہ ہوٹل کی نسبت یہ سستا بھی پڑ جاتا ہے۔ انتخاب کرتے وقت میں نے پانچ ستاروں والا میزبان (Five Star) چنا تھا تاکہ کوئی تکلیف نہ ہو۔ میزبان کی یہ درجہ بندی مہمان گھر میں وقت گزارنے کے بعد خود کرتے ہیں۔ اسی طرح میزبان مہمان کی درجہ بندی کرتے ہیں اور یہ ریکارڈ انٹرنیٹ پر محفوظ ہو جاتا ہے۔ مہمان اور میزبان تب ہی ایک دوسرے کے تأثرات دیکھ سکتے ہیں جب دونوں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہوں۔ میزبان کے انتخاب میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ میزبان مرد ہو، یا کم از کم اکیلی عورت نہ ہو، یا مہمان گھر میں زیادہ وقت نہ گزارتا ہو، تاکہ گھر میں مہمان اور میزبان عورت اکیلے نہ رہیں۔

ذِیورخ ایک سرسبز وشاداب وادی ہے جس کے درمیان میں دریائے ذیورخ بہتا ہے۔ ان دنوں موسم انتہائی خوشگوار تھا۔ نہ زیادہ گرمی نہ سردی۔ ذِیورخ انتہائی خوبصورت، سرسبز وشاداب اور

صاف ستھرا شہر ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے باشندے خوشحالی کے لحاظ سے دنیا میں اول درجہ پر ہیں۔ دریائے ذِیورخ کے اردگرد آبادی ہے اور جابجا ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی بہتے نلکے گھومتے پھرتے سیاحوں کی پیاس بجھاتے ہیں جن کی ٹوٹیاں مسلسل کھلی ہوتی ہیں۔ یہ پانی دریائے ذِیورخ سے صاف کرکے مہیا کیا جاتا ہے اور اضافی اور مستعمل پانی واپس دریا میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اس پانی کی موجودگی میں بوتل کا پانی استعمال کرنا وہاں کے لوگوں کے لئے اس طرح ہے گویا اس پانی کی نعمت کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ میرے میزبان دوست نے بتایا کہ یہاں اتنا امن ہے کہ آدھی رات کو بھی اگر لڑکی اکیلی پھرے تو اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ دریا کے کناروں پر ٹائل لگے ہوئے ہیں اور دریا کے صاف وشفاف پانی میں تیرتی ہوئی مرغابیاں بنچوں پر بیٹھے سیاحوں کو دل لبھاتی ہیں۔

ذِیورخ میں آمدورفت کے ذرائع ریل، بس، ٹرام اور بحری جہاز ہیں۔ چوبیس گھنٹے والا ایک ٹکٹ ہوتا ہے جو پورے دن کے لئے قابلِ استعمال ہوتا ہے اور تمام آمدورفت کے ذرائع میں لامحدود بار استعمال ہوسکتا ہے۔ میں نے ایسا ہی ایک ٹکٹ لیا جس کی قیمت بارہ سو(۱۲۰۰) روپے تھی اور حدودِ استعمال ذِیورخ مرکز تک تھیں۔ ٹرین، بس، ٹرام اور کروز، سب پر سفر کئے۔ ٹرام ایک برقی ریل گاڑی ہوتی ہے جو سڑکوں پر عام ٹریفک کے ساتھ چلتی ہے۔ اس کی پٹڑی روڈ کے ساتھ ہم سطح ہوتی ہے اس لئے گاڑیاں ٹرام کی پٹریوں پر چل سکتی ہیں۔ روڈ پر ترجیح ٹرام کو حاصل ہوتی ہے یعنی گزرنے کا پہلا حق ٹرام کا ہوتا ہے۔ ٹرام چوڑائی میں کافی کم اور لمبائی میں زیادہ ہوتی ہے۔ ذِیورخ میں ٹرام کی پٹڑی کی چوڑائی ساڑھے تین فٹ سے بھی کم ہے۔ کسی زمانے میں کراچی میں ٹرام چلتی تھی جواب ختم ہوچکی ہے جبکہ ذیورخ میں یہ سالانہ دوکروڑ سے زائد مسافروں کی سفری ضرورت پوری کرتی ہیں۔

ذِیورخ کا ٹرین سٹیشن جو شہر کے مرکز میں واقع ہے دنیا کے بڑے سٹیشنوں میں شمار ہوتا ہے جو روزانہ چار لاکھ سے زیادہ مسافروں کو ملکی اور غیر ملکی سفر کی سہولت فراہم کرتا ہے۔ اس سٹیشن سے روزانہ تین ہزار ٹرینیں نکلتی ہیں۔ جب بھی مجھے کہیں جانا ہوتا تو اپنے موبائل میں اس جگہ کا نام لکھ لیتا اور مجھے پتا چل جاتا کہ کتنے منٹ میں کس لائن سے ٹرین جارہی ہے۔ یہ سٹیشن ۱۸۴۷ء میں بنا اور ۱۹۲۳ء

میں اس کی ٹرینیں بجلی سے چلائی گئیں۔ اس سٹیشن کے نیچے ایک دریا بہتا ہے جس کا نام دریائے سیل ہے۔ اس کو ایک ٹنل کے ذریعے سٹیشن کے نیچے سے گزارا گیا ہے۔ سٹیشن کے اندر دو سو سے زائد دکانیں ہیں جو چھٹی کے دن بھی کھلی ہوتی ہیں اور خوب گہما گہمی ہوتی ہے۔ اس سٹیشن کے ساتھ ہی دنیا کی مہنگی ترین دکانوں والی گلی ہے جسے ''بنہوف سٹراسی'' کہتے ہیں۔ بنہوف کا مطلب سٹیشن ہوتا ہے۔ یعنی سٹیشن والی گلی۔ یہاں پر وہ مہنگی ترین گھڑیاں دیکھیں جن کی قیمت کروڑوں میں ہے۔ یہ شیشے کے ڈبوں میں پڑی رہتی ہیں اگرچہ دکان بند ہو۔ جس گھڑی پر قیمت لکھی نہیں ہوتی اس کی قیمت انتہائی زیادہ ہوتی ہے۔ میرے میزبان دوست نے ایک گھڑی دکھائی جو ''پاٹیک فیلیپی'' کمپنی کی بنی ہوئی تھی۔ یہ مہنگی ترین گھڑیاں ہیں جو ہمارے کچھ سیاستدان زیبِ دست فرماتے ہیں۔ اسی سٹریٹ پر دو مشہور سوئس بینکوں کے ہیڈ کوارٹر بھی ہیں جنھیں ''یو۔ بی۔ ایس'' اور ''کریڈٹ سوئیس گروپ'' کہتے ہیں۔ یہ وہی بینک ہیں جہاں بعضے کرپٹ پاکستانی سیاستدانوں کا کالا دھن پڑا ہوتا ہے۔ یہ سوئٹزرلینڈ کی معیشت کا اہم ذریعہ ہے۔

وہاں کی دو مشہور یونیورسٹیوں کا بھی دورہ کیا جن میں یونیورسٹی آف ذِیورخ اور ای۔ ٹی۔ ایچ شامل ہیں۔ ای۔ ٹی۔ ایچ یونیورسٹی دنیا میں انجینئرنگ اور سائنس کے شعبے میں پانچویں نمبر پر ہے۔ اس کے طالب علموں اور پروفیسروں نے ابھی تک اکیس (۲۱) نوبل پرائز حاصل کیے ہیں جن میں مشہور سائنسدان آئن سٹائن بھی شامل ہے، جس نے اسی یونیورسٹی سے پڑھا اور یہیں پروفیسر بھی بنا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان یونیورسٹیوں میں تعلیم سوئس سٹینڈرڈ جرمن زبان میں دی جاتی ہے۔ (یہ جرمن زبان کی ایک دوسری صورت ہے)

میری رہائش اڈلس وِل میں تھی جو ذِیورخ کے مرکز سے قریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ گھر کے ساتھ ہی ریل گاڑی کا سٹاپ تھا جو کسی بھی وقت شہر کی کسی بھی جگہ لے جا سکتی تھی۔ گھر کی مالکہ ایک سوئس عورت تھی۔ گھر جدید اور صاف ستھرا تھا۔ ضرورت کی ہر چیز مہیہ تھی۔ بہرحال وہاں رہتے ہوئے میں کوئی سالن بنا نہ سکا کیونکہ برتن خنزیر کا گوشت بنانے میں استعمال ہوئے تھے۔ جاتے وقت امی نے

قیمہ پکا کر ایک بڑے ٹفن میں رکھ دیا تھا۔ آٹھ دن اسی سے گزارا کیا۔ ساتھ میں ابلے انڈے، دہی، ابلا لوبیہ جو ڈبوں میں بند ملتا ہے، شہد، خشک میوہ جات اور پھل استعمال کئے۔ چند بار مسلمان دوستوں نے ضیافت کی۔ گھر پر رہتے ہوئے گھر کے استعمال کے اصولوں پر کاربند رہا جس سے مالکن خوش تھی۔ گھر کی بالکونی سے باہر سیر کی جاسکتی تھی۔ اردگرد مالدار لوگ آباد تھے۔ گھر خوبصورت تھے۔ پاس ہی دریا بہہ رہا تھا اور ہر طرف ہریالی تھی۔ سڑک اور گلیاں صاف ستھری پڑی تھیں۔

میری رہائش کے قریب ہی ایک چرچ تھا جس میں ہر پندرہ منٹ بعد ایک خودکار گھنٹی بجتی تھی جس سے پتا چلتا کہ سوا، آدھا یا پونا گھنٹہ گزر چکا ہے۔ یہ حال تمام شہر میں تھا۔ پرانے زمانے میں یہ گھنٹی عبادت کے اوقات یا مختلف اعلانات کے لئے بجتی تھی، جیسے بچے یا عورت کی میت کا اعلان کرنے کے لئے ہلکی سی بجتی تھی اور مرد کی میت پر زور سے۔ اب تو رواجاً بجتی ہے۔ اکثریت عیسائیت سے منحرف ہو چکی ہے۔ یہ بات مجھے کمپنی میں ایک سوئس دوست نے بتائی، اور میرے گھر کی مالکن نے بھی۔ دوسرے مغربی ممالک کی طرح یہاں پر بھی خاندانی نظام بحران کا شکار ہے۔ میں نے میزبان سوئس عورت جس کی عمر تیس سال تک تھی سے پوچھا کہ ابھی تک شادی کیوں نہیں کی۔ اس نے کہا کہ میری بہنوں اور بھائیوں نے شادیاں کی تھیں، سب طلاق پر ختم ہوئیں، اس لئے شادی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بچے پالنا بہت مشکل ہے۔

ہمارے گھر کے قریب ایک چیئر لفٹ چلتی تھی جو اڈلس وِل سے اوپر کی طرف ''فلسی نگ'' تک چلتی تھی۔ فلسی نگ کے قریب ہی ذِیورخ کا بلند ترین مقام ''اوٹلی برک'' واقع ہے۔ اوٹلی برک ذِیورخ مرکز سے تقریباً ۱۵۰۰ فٹ کی بلندی پر ہے جہاں سے پورے ذِیورخ کا نظارہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ ذِیورخ کا بہتا دریا، سرسبز وادی اور ترتیب دی گئی گلیاں اور گھر بہت دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔ یہاں پر ایک ۱۰۰ فٹ اونچا ٹاور بھی ہے۔ اس ٹاور پر چڑھ کر مزید لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ کچھ ہواباز گلائیڈر پر دریا کے اوپر اُڑ رہے تھے جو دریا سے تو اوپر مگر ٹاور سے نیچے اور کبھی کبھی ٹاور کے ہم سطح آجاتے تھے اور ہمارے قریب آکر ہاتھ ہلاتے تھے۔ اوٹلی برک کی اونچی چوٹی بہت وسیع و عریض

سرسبز کھیتوں پر مشتمل ہے۔ بڑی بڑی چراہ گاہیں ہیں جن میں مویشی چر رہے تھے۔ ہریالی کے درمیان جا بجا جھونپڑے جنت کا منظر پیش کر رہے تھے۔ کھیتوں کے درمیان واکنگ ٹریک تھے جس پر لوگ بذریعہ سائیکل یا پیدل چل رہے تھے۔ فلسی نگ اور اڈلس وِل کے درمیان چیئر لفٹ کی بجائے پیدل آنے جانے کے لئے پہاڑ پر جنگل میں سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔

سوئٹزرلینڈ بین الاقوامی سیاست میں ایک غیر جانبدار ملک ہے۔ جنگ عظیم اول و دوم میں بھی حصہ نہیں لیا تھا اور تباہی کے اثرات سے محفوظ رہا تھا۔ سوئٹزرلینڈ کی سرحدی حدود جرمنی، فرانس اور اٹلی سے ملے ہوئے ہیں اور ان ممالک سے منسلک سوئٹزرلینڈ کے علاقوں میں وہی زبان بولی جاتی ہے۔ چھوٹی سرکاری زبان کو ''رومانیش'' کہتے ہیں جو لاطینی زبان سے بنی ہے۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر ''سوئس جرمن'' کی بولی بولی جاتی ہے، جس کی کوئی تحریری شکل نہیں ہے یعنی گرامر، حروف، وغیرہ۔ جرمن لوگ سوئس جرمن کو نہیں سمجھتے جبکہ سوئس جرمن زبان بولنے والے جرمن زبان بھی سمجھتے ہیں۔

ذِیورخ میں ایک تبلیغی مرکز ہے۔ اس کا نام مدنی مسجد ہے اور وین برگ سٹراسی پر واقع ہے جسے وہاں پر مقیم مزدوری اور نوکری کرنے والے پاکستانی پٹھان چلاتے ہیں۔ میرا وہاں جانا ہوا تو مرکز کا نظام چلانے والے امیر خان ہوتی نے بہت مہمان نوازی کی۔ امیر خان ایک سٹور چلاتا ہے اور مجھے کہا کہ تم مرکز ہی میں رہو اور باہر ہوٹلوں میں کرایہ نہ دو۔ مرکز کا ایک حصے میں نماز ہوتی ہے جب کہ دوسرے حصے میں ایک ہال ہے جس میں تبلیغی جماعت والے یا مہمان سوتے ہیں۔ میں چونکہ ایک ہفتے کی پیشگی ادائیگی سوئس گھرانے کو کر چکا تھا اس لئے مرکز میں آخری اور آٹھویں رات گزارنے کا ارادہ کیا۔ سات دن گھر پر گزارنے کے بعد جب میں رخصت ہو رہا تھا تو میری میزبان نے آٹھواں دن بغیر معاوضے کے گزارنے کو کہا مگر میں چاہتا تھا کہ ایک رات مرکز میں بھی گزار لوں۔ جہاں سے صبح سویرے پیرس جانا تھا اور ٹرین سٹیشن بھی مرکز کے قریب تھا۔ صبح مجھے ایک پٹھان ٹیکسی ڈرائیور جو کہ نماز کے لئے آیا ہوا تھا اپنی ٹیکسی میں سٹیشن لے گیا۔ ٹیکسی کا ڈرائیونگ لائسنس لینا بہت مشکل کام ہے اور ٹیکسیوں کا کرایہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ دس کلومیٹر کی مسافت کے تقریباً ۵۰۰۰ روپے بنتے ہیں (جاری ہے)

نمازیں

(قسط۔۱۱)

(قاضی فضلِ واحد صاحب)

نمازِ جنازہ

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنازہ لے جانے میں جلدی کرو۔ اگر وہ نیکوکار ہے تو بہتر چیز ہے جسے تم آگے بھیج رہے ہو اور اگر وہ اس کے سوا ہے تو ایک بری چیز ہے جسے تم اپنی گردن سے اتار رہے ہو۔ (بخاری جلد ا، مسلم جلد ا)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، اگر وہ نیکوکار ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی لے چلو اور اگر نیک نہیں ہے تو اپنے گھر والوں سے کہتا ہے کہ افسوس! مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ اس کی آواز انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے۔ اگر آدمی اس کو سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ (بخاری جلد ا)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ حتیٰ کہ وہ تم سے آگے گزر جائے یا اُسے نیچے رکھ دیا جائے۔ (بخاری جلد ا)

نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے

یعنی کچھ لوگ جنازہ کی نماز پڑھ لیں تو باقی لوگوں سے ساقط (ادا) ہو جاتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نیک اور گنہگار کی نماز جنازہ پڑھو۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جن میں سے ایک اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی بھی ہے۔

مسئلہ: نمازِ جنازہ کی چھ شرطیں ہیں۔ (۱) میت مسلمان ہو، (۲) میت پاک ہو (یعنی بدن، کپڑے)،

اور (۳) جگہ بھی پاک ہو، (۴) میت موجود ہو، (۵) زمین پر رکھی ہوئی ہو اور (۶) میت کا مکمل حصہ یا اکثر حصہ نمازی کے سامنے قبلہ سمت ہو۔

جنازہ پڑھنے کی فضیلت

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے نمازِ جنازہ پڑھی اور لوٹ گیا اسے ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو آدمی دفن کرنے تک حاضر رہا اسے دو قیراط ثواب ملے گا اور فرمایا کہ ایک قیراط ایک پہاڑ کے برابر ہے جبکہ دو قیراط دو بڑے پہاڑوں کی طرح ہیں۔ (بخاری جلد ۱)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کی نمازِ جنازہ چالیس ایسے مسلمانوں نے پڑھی جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تو اللہ تعالیٰ اس میت کے حق میں ان کی شفاعت قبول کرتا ہے۔ (مسلم جلد ۱)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی مسلمان میت کی ایک سو مسلمان نماز جنازہ پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی یعنی دعائے مغفرت ضرور قبول ہوگی۔ (مسلم)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں تو اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

چار تکبیریں

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ایک تازہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی۔ لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی اور آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک کا آخری عمل جنازہ پر چار تکبیرات کا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر بھی چار تکبیریں کہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر بھی چار تکبیریں کہیں اور

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنازہ پر بھی چار ہی تکبیریں کہی تھیں ۔(مستدرک حاکم ؒ)

رفع یدین:

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے اور پھر دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھ لیتے تھے ۔(ترمذی جلد ۱)

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے ، پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے ۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کسی میت کی نمازِ جنازہ پڑھتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے ابتداء کرتے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود شریف ، اس کے بعد دعا کرتے تھے ۔

حضرت امام شعبی ؒ فرماتے ہیں نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے ابتداء کرے ، دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے ۔(ابن ابی شیبہ بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

نمازِ جنازہ کا طریقہ

نمازِ جنازہ یہ ہے:

پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی ثناء کی جائے ۔

دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے ۔

تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے اور میت اور دیگر مسلمانوں کے لئے دعا کی جائے ۔

پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے ۔(ہدایہ)

دعاوں کا ادا کرنا ، میت کے لئے استغفار کرنا اور ثنا سے نمازِ جنازہ کا شروع کرنا اور درود شریف پڑھنا ، سنت طریقہ ہے ۔(ہدایہ)

مشہور دعا: اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا۔۔۔آخر تک۔(بحوالہ نماز کی مکمل کتاب)

اگر کسی کو نمازِ جنازہ یاد نہ ہو:

کھڑے ہوکر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہ کر ہاتھ باندھے، ثنا یعنی سبحانک اللّٰھم جو نماز میں پڑھتے ہیں وہ پڑھ لے۔اگر وہ بھی یاد نہ ہو تو تین بار سبحان اللہ کہے، پھر اللہ اکبر کہے اور دعا یاد نہ ہو تو تین بار سبحان اللہ کہے۔

نمازِ جنازہ کی نماز میں صرف دو چیزیں فرض ہیں: ایک قیام دوسرے چار تکبیریں۔

(بحوالہ تعلیمات اسلام، حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحبؒ)

بچے کی دعا:

حدیث: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ بچہ کے جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللّٰھم اجعلہ لنا فرطاً واجعلہ لنا اجرا وذخر واجعلہ لنا شافعا ومشفعا.

نابالغ لڑکی کی دعا:

اگر لڑکی نابالغ ہو تو اس پر یہی دعا پڑھیں لیکن ضمیر مذکر کی جگہ مؤنث ہوگی۔

اللّٰھم اجعلھا لنا فرطاً واجعلھا لنا اجراً وذُخرا واجعلھا لنا شافعة ومشفعة.

مسئلہ: اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ میں اس وقت شامل ہوا جب کہ امام پہلی تکبیر کہہ چکا تو وہ انتظار کرے اور جب امام دوسری تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہہ کر نماز میں شریک ہوا اور جب امام نماز سے فارغ ہو تو یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنے سلام پھیرنے سے پہلے فوت شدہ تکبیر یا تکبیریں (جو بھی صورت ہو) کہہ کر سلام پھیرے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص نماز جنازہ کیلئے آیا جبکہ امام چاروں تکبیریں کہہ چکا تھا البتہ ابھی سلام نہیں پھیرا تھا اس صورت میں بہتر تو یہ ہے وہ نماز میں شامل نہ ہو اور اگر شامل ہوگیا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ شخص پے درپے تین تکبیریں کہے اور ان تکبیروں کے درمیان کوئی دعا وغیرہ کچھ نہ پڑھے۔

(بحوالہ نماز کی مکمل کتاب) (جاری ہے)